© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشارات

اسلامی تعلیم و تربیت کے لحاظ سے نیم پختہ یا بالکل خام نوجوانوں کے مذہبی خیالات پر مغربی تعلیم و تہذیب کا جو اثر ہوتا ہے اس کا اندازہ، ان تحریروں اور تقریروں سے ہو سکتا ہے جو اس قسم کے لوگوں کی زبان و قلم سے آئے دن نکلتی رہتی ہیں۔ مثال کے طور پر ایک تازہ نمونہ ملاحظہ ہو۔

سید مقبول احمد صاحب صوبہ متحدہ کے ایک مسلمان گریجویٹ جو غالباً ڈپٹی کلکٹر بھی ہیں، کچھ مدت ہوئی کہ چین و جاپان کی سیاحت کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ ان کا سفرنامہ گورکھ پور کے رسالہ "ایوان" میں شائع ہو رہا ہے۔ ہانگ کانگ کے حالات تحریر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"ہمارے ساتھ جتنے چینی مسافر ہیں وہ انتہا کے بلانوش اور شراب خوار ہیں۔ سور کا گوشت تو اُن کی جان ہے...... اب میں نے عیسائیت کی ترقی کا راز سمجھا۔ چین اپنے قدیم مذہب کی پیروی کو نئی تعلیم کے ساتھ عار پاتا ہے۔ اس کو اسلام قبول کرنے میں تامل نہ ہوتا اگر وہ اس کو سمجھتا ہوتا مگر اسلام اُس کو اُس کی تمام مرغوب غذا سے محروم کر دیتا ہے۔ چار و ناچار وہ عیسائی ہو جاتا ہے......

کچھ عجب نہیں کہ آیندہ چین کا سرکاری مذہب عیسائیت ہو جائے۔ میں سور کے گوشت کے معاملہ میں اہل یورپ اور اہل چین کے نومسلموں میں ذرا ڈھیل دینا پسند کرتا ہوں۔ قرآن سے بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مجھے اسکے قطعی حرام ہونے میں شک ہے ۔ زیادہ بریں نیست کہ اہل عرب کیلئے کسی خاص وجہ سے حرام کردیا گیا ہو ۔ مگر ایسے ممالک میں جہاں اس کے بغیر فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ ہوجائے تو کیا ہرج ہے ؟

بہرحال قرآن کا یہی ایک حکم ہے جس کی ممانعت عمومی کی علت میری سمجھ میں اب تک نہیں آئی ۔

ورنہ اصولاً معدہ او محرکات اخلاق ہیں اس قدر بُعد ہے کہ مذہب ہمارے کھانے کا مینو MENU بھی تیار کرے تو کچھ کوئی وجہ نہیں کہ وہ ہم کو آہن گری اور زرگری خیاطی وغیرہ کا کام بھی کیوں نہ سکھائے ۔ میرا خیال ہے کہ دنیائے اسلام کے ترقی نہ کرنے کا راز اسی میں پنہاں ہے کہ وہ آدمی کے تمام حقوق انسانی سلب کرکے اس کو ایک لاشۂ بے جان اور ایسا بچہ بنا دیتا ہے کہ وہ اپنی دنیاوی ترقی کی راہیں سب بھول جاتا ہے ۔ ورنہ مذہب حنیفیت اسی قدر ہونا چاہئیے جیسا عیسائیوں نے سمجھ رکھا ہے ۔"

اس کے بعد وہ شنگھائی کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"خدا کی اس بے شمار خلقت کو خوش وخرم وخوشحال دیکھ کر دل گواہی نہیں دیتا کہ یہ تمام کے تمام چند سال کے بعد دوزخ کے ایندھن بنائے جائیں گے گویا ان کی پیدائش کا یہی ایک مقصد خدا کے پاس رہ گیا ہے ۔ پھر یہ سب کے سب الا ماشاء اللہ چند نفوس کے علاوہ اگر بت پرست اور کافر ہیں تو انھوں نے دوزخ میں رکھے جلانے کے لیے کیا یہی قصور کیا ہے کہ انہوں نے خدا کی زمین کو معمور کردیا ہے ؟ نہ وہ حاجیوں کو قتل وغارت کرتے ہیں ، نہ ان میں قوم لوط کا عمل ہے ، نہ وہ کسی کے مال کو ہضم کرلیتے ہیں اور نہ اس کو جائز کرنے کے لیے تاویلیں کرتے ہیں ۔ خاموشی سے اس زندگی کو بہت خوبی سے طے کررہے ہیں ، پھر بھی وہ مستحق دوزخ ہیں ۔ آخر کیوں ؟ ....

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یقیناً مشرکانہ عقیدہ ایک سودائے خام ہے۔ لیکن یہ تو بتادو کہ اگر ایک شخص ایک ایسی ہستی کا فطرتاً قائل ہوجاتا ہے جو اس کو مارتا اور جلاتا ہے تو محض اس لیے کہ اس کی ماہیت اس کی سمجھ سے اتنی ہی باہر ہے جتنی ہماری سمجھ سے، یا وہ عربی کو خدا کی زبان نہیں سمجھتا، تم اس کے دشمن ہو اور وہ تمہارا دشمن ہوجاتا ہے۔ مگر نہیں! تمہارے نزدیک یہ سب کچھ ضروری نہیں ہے۔ ضروری تو یہ ہے کہ پائجامہ ایک خاص وضع کا ہو۔ کرتے کی کاٹ ایسی ہو۔ فلاں قسم کا کھانا کھائے۔ منہ پر چار انگل کی ڈاڑھی ہو۔ کبھی اپنے ملکی مدرسوں میں قدم نہ رکھے اس واسطے کہ وہاں مذہب کی زبان اور مذہب کا فن تم کو نہیں سکھایا جاتا۔"

جاپان کے بندرگاہ کوبے کے متعلق فرماتے ہیں :۔

"دو گھنٹہ تک ہم کوبے میں پھر مارا۔ ایک بھیک مانگنے والا مجھ کو نہ ملا اور کوئی پھٹے پرانے کپڑوں میں بدحال ملا۔ یہ ہے اس قوم کی ترقی کا حال جو نہ مذہب کو جانتی ہے اور نہ خدا کو!"

پھر وہ بقول خود "موعظہ حسنہ" شروع کرتے ہیں :۔

"یاد رکھو کہ احسان اصل دین ہے اور احسان کسی زبان اور فن کا محتاج نہیں۔ اس کا فطری مقصد یہ ہے کہ ہم آئندہ زندگی یا خود اس زندگی میں اپنے اعمال کے جواب دہ ہیں اور ہوں گے یہی در اصل مذہب اسلام ہے۔ اس سے زیادہ جس چیز کا تم نے مذہب نام رکھا ہے وہ محض تمہارے نفس کا دھوکا یا تمہارے دماغ کا خلل ہے۔ جس روز ان دونوں باتوں پر مذہب کو محدود کرو گے اور اپنی ساری بیڑیاں شریعت کی توڑ ڈالو گے، تم بھی قوموں کے ساتھ بام ترقی پر پہنچو گے۔ بلکہ یوں کہو کہ تم قوموں میں ضمیر پیدا کرو گے جن کے ہاتھ سے اگر دنیا نہیں گئی ہے تو آسمانی بادشاہت بھی نہ جائے گی۔ تم خود کوئی قوم نہیں ہو بلکہ قوموں کے مصلح ہو۔ مگر خدارا اس کا موقع تو نہ دو کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کوئی کہے کہ فلاں قوم برسر اوج ہے مگر چونکہ اس میں مسلمان ہیں ان کی حالت زبوں ہے، اور یقیناً
اس زبونی کا ذمہ داران کا عجیب و غریب مذہب ہے۔"

یہ تحریر ہماری نئی تعلیم یافتہ نسل کی عام دماغی حالت کا ایک واضح نمونہ ہے۔ مسلمانوں کے گھر پیدا ہونے، مسلم سوسائٹی کے رکن کی حیثیت سے پلے بڑھے، مسلمانوں کے ساتھ معاشرت و تمدن کی بندشوں میں بندھے، اس لیے اسلام کی محبت، مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی، اور مسلمان رہنے کی خواہش گویا ان کی گھٹی میں پڑی اور ان کے دلوں میں اس طور پر بیٹھ گئی کہ اس میں ان کے ارادے، اور ان کی اپنی عقلی و فکری قوتوں کا دخل نہ تھا۔ مگر قبل اس کے کہ اس اضطراری اور غیر شعوری اسلام کو تعلیم و تربیت کے ذریعہ سے اختیاری اور شعوری اسلام بنایا جاتا، اور ان میں یہ صلاحیت پیدا کی جاتی کہ وہ اسلامی تعلیمات کو پوری طرح سمجھ کر مسلمان ہوتے اور عملی زندگی میں اس کے احکام و قوانین کو برت کر بھی دیکھ لیتے، انہیں انگریزی مدرسوں اور کالجوں میں بھیج دیا گیا جہاں ان کے قوائے ذہنی و فکری کی پرورش بالکل غیر اسلامی تعلیم و تربیت میں ہوئی اور ان کے دماغوں پر مغربی افکار اور مغربی تہذیب کے اصول اس طرح چھا گئے کہ ہر چیز کو وہ مغرب کی نظر سے دیکھنے اور ہر مسئلہ پر مغرب ہی کے ذہن سے غور کرنے لگے، اور مغربیت کے اس استیلاء سے آزاد ہو کر سوچنا اور دیکھنا ان کے لیے ناممکن ہو گیا۔ مغرب سے انھوں نے عقلیت RATIONALISM کا سبق ضرور سیکھا، مگر خود عقل ان کی اپنی نہ تھی بلکہ یورپ سے حاصل کی ہوئی تھی، اس لیے ان کی عقلیت در اصل فرنگی عقلیت ہو گئی نہ کہ آزاد عقلیت۔ انھوں نے مغرب سے تنقید یا CRITICISM کا بھی درس لیا، مگر یہ آزاد تنقید کا درس نہ تھا، بلکہ اس بات کا درس تھا کہ مغرب کے اصولوں کو برحق مان کر ان کے معیار پر ہر اس چیز کو جانچو جو مغربی نہیں ہے، لیکن خود مغرب کے اصولوں کو تنقید سے بالاتر سمجھو۔ اس تعلیم و تربیت کے بعد جب یہ لوگ کالجوں سے بالغ ہو کر نکلے، اور زندگی کے میدان عمل میں انھوں نے قدم رکھا تو ان کے دل اور دماغ میں بُعد المشرقین واقع ہو چکا تھا۔ دل مسلمان تھے اور دماغ غیر مسلم۔ رہتے مسلمانوں ہی میں تھے، شب و روز کے معاملات مسلمانوں کے ساتھ تھے، تمدن و معاشرت کی بندشوں میں مسلمانوں کے ساتھ بندھے ہوئے تھے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنے گرد و پیش مسلمانوں کی مذہبی و تمدنی زندگی کے اعمال دیکھ رہے تھے، ہمدردی و محبت کے رشتے مسلمانوں سے وابستہ تھے مگر سوچنے اور سمجھنے اور رائے قائم کرنے کی جتنی قوتیں تھیں وہ سب مغربی سانچوں میں ڈھلی ہوئی تھیں، جن سے نہ اسلام کا کوئی قاعدہ مطابقت رکھتا تھا اور نہ مسلمانوں کا کوئی عمل۔ انہوں نے مغربی معیار کے مطابق اسلام اور مسلمانوں کی ہر چیز پر تنقید شروع کی اور ہر اس چیز کو غلط اور قابل ترمیم سمجھا جسے اس معیار کے خلاف پایا، خواہ وہ اسلام کے اصول میں سے ہو یا فروع میں سے، یا محض مسلمانوں کا عمل ہو۔ ان میں سے بعض نے تحقیق حال کے لیے کچھ اسلام کا مطالعہ بھی کیا مگر تنقید و تحقیق کا معیار وہی مغربی تھا۔ ان کی ذہنیت کے ٹیڑھے سوراخ میں اسلام کی سیدھی میخ آخر بیٹھتی تو کیونکر؟

مذہبی مسائل پر جب یہ حضرات اظہار خیال کرتے ہیں تو ان کی باتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بغیر سوچے سمجھے تقریر فرما رہے ہیں۔ نہ ان کے مقدمات درست ہوتے ہیں، نہ منطقی اسلوب پر ان کو ترتیب دیتے ہیں، اور نہ صحیح نتائج اخذ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حد یہ ہے کہ کلام کرتے وقت خود اپنی پوزیشن بھی متعین نہیں کرتے۔ ایک ہی سلسلۂ کلام میں مختلف حیثیتیں اختیار کر جاتے ہیں، ابھی ایک حیثیت سے بول رہے تھے کہ دفعتاً ایک دوسری حیثیت اختیار کر لی اور اپنی پچھلی حیثیت کے خلاف بولنے لگے۔ یہ سستی فکر ان کے مذہبی افشانات کی نمایاں خصوصیت ہے۔ مذہب کے علاوہ جس مسئلے پر بولیں گے ہوشیار اور چوکنے ہو کر بولیں گے۔ کیونکہ وہاں اگر کسی قسم کی بے ضابطگی ہو گئی تو جانتے ہیں کہ اہل علم کی نگاہ میں کوئی وقعت باقی نہ رہے گی۔ لیکن مذہب چونکہ ان کی نگاہ میں کوئی اہمیت نہیں رکھتا، اور اس کو وہ اتنا وزن ہی نہیں دیتے کہ اس پر کلام کرتے وقت اپنے دماغ پر کچھ زور دینا ضروری سمجھیں، اس لیے یہاں وہ بالکل بے فکری کے ساتھ ڈھیلی ڈھالی گفتگو فرماتے ہیں، گویا کھانا کھا کر آرام کرسی پر دراز ہیں اور محض تفریح کے طور پر بول رہے ہیں جس میں ضبط کلام کو ملحوظ رکھنے کی کوئی حاجت ہی نہیں۔

دوسری بات جو ان کی تحریروں میں نمایاں نظر آتی ہے وہ خیالات کی سطحیت اور معلومات کی کمی ہے۔ مذہب کے سوا کسی اور مسئلے میں وہ اتنی کم معلومات اور اس قدر کم غور و فکر کے ساتھ بولنے کی جرأت نہیں کر سکتے کیونکہ وہاں اگر تحقیق کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بغیر ایک کلمہ منہ سے نکل جائے تو آبرو جاتی رہے۔ لیکن مذہب کے معاملہ میں وہ تحقیق اور مطالعہ اور غور و فکر کو ضروری نہیں سمجھتے۔ سرسری طور پر جو کچھ معلوم ہوگیا اسپر رائے قائم کرلی اور بے تکلف اس کو بیان کردیا۔ اس لیے کہ کسی گرفت کا یہاں خوف ہی نہیں۔ گرفت اگر کرے گا تو مولوی کرے گا۔ اور مولوی کے متعلق یہ بات پہلے ہی اصول موضوعہ کے طور پر داخلِ مسلمات ہو چکی ہے کہ وہ تاریک خیال، دقیانوسی، اور تنگ نظر ہوتا ہے۔

فاضل محترم جناب سید مقبول احمد صاحب کی تحریر ان دونوں خصوصیات کی حامل ہے۔ سب سے پہلے تو ان کے مضمون سے یہی نہیں معلوم ہوتا کہ وہ مسلم کی حیثیت سے کلام کر رہے ہیں یا غیر مسلم کی حیثیت سے ہے۔ اسلام کے متعلق گفتگو کرنے والے کی دو ہی حیثیتیں ہوسکتی ہیں۔ یا وہ مسلم ہوگا یا غیر مسلم۔ جو شخص مسلم کی حیثیت سے کلام کرے گا عام اس سے کہ وہ خوش عقیدہ ORTHODOX ہو یا آزاد خیال یا اصلاح طلب، بہرحال اس کے لیے لازم ہوگا کہ دائرہ اسلام کے اندر رہکر کلام کرے یعنی قرآن کو منتہائے کلام FINAL AUTHORITY سمجھے اور ان اصول دین و قوانین شریعت کو تسلیم کرے جو قرآن نے مقرر کئے ہیں، کیونکہ اگر وہ قرآن کی سند کو نہ مانے گا اور کسی ایسی بات میں کلام کی گنجائش سمجھے گا جو قرآن سے ثابت ہو، تو دائرہ اسلام سے باہر نکل آئے گا، اور اس دائرے سے نکلنے کے بعد اسکی مسلمانہ حیثیت باقی ہی نہ رہے گی کہ وہ اس میں کلام کرسکے۔ رہی دوسری حیثیت یعنی یہ کہ بولنے والا غیر مسلم ہو، تو اس حیثیت میں اسے پورا حق ہوگا کہ قرآن کے اصول اور اس کے احکام پر جیسی چاہے تنقید کرے، اسلیے کہ وہ اس کتاب کو منتہائے کلام نہیں مانتا۔ لیکن یہ حیثیت اختیار کرنے کے بعد اسے مسلم کی حیثیت سے گفتگو کرنے اور مسلمان بن کر مسلمانوں کو اسلام کے معنی سمجھانے اور اسلام کی ترقی کے وسائل بتانے کا کوئی حق نہ ہوگا۔ ایک صاحب عقل و شعور آدمی جب سوچ سمجھ کر اسلام کے متعلق گفتگو کرے گا تو وہ سب سے پہلے یہ فیصلہ کرے گا کہ وہ ان دونوں حیثیتوں میں سے کون سی حیثیت اختیار کرسکتا ہے، پھر وہ جو حیثیت بھی اختیار کرے گا اس کے عقلی شرائط کو ملحوظ رکھے گا۔ کیونکہ بیک وقت اپنے آپ کو مسلمان بھی کہنا اور قرآن کے مقرر کئے ہوئے اصول و قوانین پر نکتہ چینی کا حق بھی استعمال کرنا، قرآن کی سند میں کلام بھی کرنا اور مسلمانوں کو

© rasailojaraid.com

موعظہ حسنہ بھی سنانا کسی عاقل کا فعل نہیں ہو سکتا۔ نقیضین کو جمع کرنا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک ہی شخص بیک وقت مسلم بھی ہو اور غیر مسلم بھی۔ دائرہ اسلام میں داخل بھی ہو اور اس سے خارج بھی۔

اگر سید صاحب اسلام کے سوا کسی دوسرے مسئلے پر کلام فرماتے تو ہم ان کے متعلق یہ بدگمانی نہیں کر سکتے کہ وہ اس طرح دو مختلف حیثیتیں بیک وقت اپنے اندر جمع کر لیتے۔ ہم ان سے یہ توقع نہیں رکھتے کہ وہ قیصر ہند کی عدالت میں بیٹھ کر قیصر ہند کے امضا کیے ہوئے قوانین پر نکتہ چینی کرنے کا حق استعمال فرمائیں گے۔ نہ ہم ان سے اس جرأت کی امید رکھتے ہیں کہ وہ کسی مذہب فکری SCHOOL OF THOUGHT کی پیروی کا دعویٰ کرنے کے بعد ان اصولوں پر مخالفانہ نکتہ چینی کریں گے جن پر وہ مذہب قائم ہے۔ لیکن یہ طرفہ ماجرا ہے کہ اسلام کے معاملہ میں محترم نے دو بالکل متخالف حیثیتیں اختیار کی ہیں، اور یہ محسوس تک نہیں کیا کہ وہ بار بار اپنی پوزیشن بدل رہے ہیں۔ ایک طرف وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں، مسلمانوں کا سا نام رکھتے ہیں، مسلمانوں کی زبوں حالی پر اظہار رنج فرماتے ہیں، اسلام کی ترقی کی خواہش ظاہر کرتے ہیں، مسلمانوں کو "احسان" یعنی "اصل دین" کا وعظ سناتے ہیں۔ دوسری طرف اس کتاب کے مقرر کیے ہوئے اصول اور قوانین پر نکتہ چینی بھی کرتے ہیں جس پر اسلام کی بنیاد قائم ہے اور جس کو آخری سند تسلیم کرنا مسلمان ہونے کی لازمی شرط ہے۔ قرآن ایک جگہ نہیں چار جگہ بالتصریح تمام مسلمانوں کے لیے سور کے گوشت کو حرام قرار دیتا ہے مگر آپ اس معاملہ میں ڈھیل دینا پسند فرماتے ہیں اور لطف یہ ہے کہ "ترقی اسلام" کے لیے (خدا جانے قرآن سے باہر وہ کون سا اسلام ہے جس کی ترقی آپ چاہتے ہیں؟) قرآن فی الواقع انسان کے لیے کھانے کا مینو طیار کرتا ہے، کھانے کی چیزوں میں حرام و حلال، خبیث و طیب کا فرق قائم کرتا ہے اور صاف کہتا ہے کہ تم اپنے اختیار سے کسی چیز کو حلال اور کسی کو حرام قرار دینے کا حق نہیں رکھتے۔ مگر آپ کو اپنے اس حق پر اصرار ہے اور خود قرآن کا یہ حق تسلیم کرنے میں تامل ہے کہ وہ کھانے پینے میں مذہب کو دخل دے۔ قرآن مذہب کو ان حدود میں محدود نہیں رکھتا جن میں سینٹ پال (نہ کہ مسیح ؑ) کے متبعین نے اسکو محدود کیا ہے اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لباس، اکل و شرب، نکاح و طلاق، وراثت، لین دین، سیاست، عدالت، تعزیرات وغیرہ کے قوانین وضع کرتا ہے، مگر آپ اس پر سختی کے ساتھ اعتراض کرتے ہیں، اس کو "ترقی اسلام" میں مانع قرار دیتے ہیں، اس کو الزام دیتے ہیں کہ وہ انسان کو ایک لاشہ بے جان اور بے بس بچہ بنا دیتا ہے، اور تجویز کرتے ہیں کہ مذہب بس اسی قدر ہونا چاہیے جس قدر عیسائیوں (درحقیقت پولوسیوں) نے سمجھا ہے۔ قرآن نے خود قوانین شریعت بنائے ہیں اور ان کو حدود اللہ سے تعبیر کر کے ان کی پابندی کا حکم دیا ہے مگر آپ شریعت کی ان حدوں کو "بیڑیوں" سے تعبیر کرتے ہیں، اور سینٹ پال کی طرح مذہب کی توسیع و ترقی کے لیے ضروری سمجھتے ہیں کہ ان بیڑیوں کو توڑ ڈالا جائے۔ قرآن کے نزدیک ایمان نجات کی پہلی اور لازمی شرط ہے، اور جو لوگ خدا پر ایمان نہیں رکھتے ان کے متعلق وہ بالفاظ صریح کہتا ہے کہ وہ دوزخ کا ایندھن بنائے جائیں گے خواہ وہ بے شمار ہوں یا شمار میں آجائیں، خوش حال ہوں یا بدحال۔ مگر آپ کا حال یہ ہے کہ کافروں اور رب پرستوں کی بے شمار خلقت کو خوش و خرم و خوشحال دیکھ کر آپ کا دل گواہی نہیں دیتا کہ چند سال کے بعد وہ سب دوزخ کا ایندھن بنا دیے جائیں گے اور آپ کی سمجھ میں نہیں آتا کہ انھوں نے خدا کی زمین کو معمور کر دینے کے سوا اور کون سا قصور کیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ قرآن سے اتنا کھلا ہوا اختلاف رکھتے ہوئے آپ مسلمان کیسے رہ سکتے ہیں، اور مسلمان ہوتے ہوئے قرآن سے اختلاف کیونکر کر سکتے ہیں؟ اگر آپ مسلمان ہیں تو قرآن سے اختلاف نہ فرمائیے اور اگر قرآن سے اختلاف کرنا چاہتے ہیں تو دائرۂ اسلام سے باہر کھڑے ہو کر اختلاف کیجیے۔

جو شخص کسی مذہب کے اصول اور احکام و قوانین سے مطمئن نہ ہو، جس کا دل ان کی صداقت پر گواہی نہ دیتا ہو، جو ان کی علت و مصلحت کو سمجھنے سے عاجز ہو، اور جس کے نزدیک ان میں سے بعض یا اکثر باتیں قابل اعتراض ہوں، اس کے لیے دو راستے کھلے ہوئے ہیں۔ یا تو وہ اس مذہب سے نکل جائے۔ پھر اس کو حق ہے کہ اس مذہب کے جس قاعدے اور جس حکم پر چاہے نکتہ چینی کرے۔ یا اگر وہ اس عدم اطمینان کے باوجود اس مذہب میں رہنا چاہتا ہے تو اس کے خلاف مناظرہ کرنے سے احتراز کرے، اور مجتہدین کو اس کے قواعد و ضوابط پر تیشہ چلانے کے بجائے طالب علم بن کر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنے شکوک و شبہات حل کرنے کی کوشش کرے۔ عقل و دانش کی رو سے تو اس حالت میں یہی دو طریقے معقول ہو سکتے ہیں، اور مردِ عاقل جب کبھی ایسی حالت میں مبتلا ہوگا تو انہی میں سے کسی ایک طریقے کو اختیار کرے گا۔ لیکن مقبول صاحب اور ان کی طرح بہت سے فرنگی تعلیم و تربیت پائے ہوئے حضرات کا حال یہ ہے کہ پہلا طریقہ اختیار کرنے کی اخلاقی جرأت ان میں نہیں۔ اور دوسرا طریقہ اختیار کرتے ہوئے انہیں شرم آتی ہے۔ اس لیے انھوں نے بیچ کا ایک غیر معقول طریقہ اختیار کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ایک طرف مسلمانوں میں شامل بھی ہوتے ہیں، ترقی اسلام کے آرزومند بھی بنتے ہیں، اسلام اور مسلمانوں کے درد میں تڑپتے بھی ہیں، اور دوسری طرف اسلام کے خلاف وہ سب کچھ کہتے اور کرتے ہیں جو ایک غیر مسلم کہہ اور کر سکتا ہے، حدیث و فقہ تو درکنار قرآن تک پر نکتہ چینی کرنے سے باز نہیں رہتے، اور ان تمام بنیادوں پر ضرب لگا جاتے ہیں جن پر اسلام قائم ہے۔ ان حضرات کو دعویٰ ہے کہ ہم ارباب عقل (RATIONAL-ISTS) ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہم کوئی ایسی بات نہیں مان سکتے جو عقل کے خلاف ہو۔ ملاؤں پر ان کا سب سے بڑا الزام یہی ہے کہ وہ عقل سے کام نہیں لیتے۔ مگر خود ان کا حال یہ ہے کہ مذہب کے معاملہ میں صریح تناقض بازی کرتے ہیں۔ متضاد طرزِ عمل اختیار کرتے ہیں، اور اپنی ایک بات کی تردید خود اپنی ہی دوسری بات سے کر جاتے ہیں۔ آخر یہ ریشنلزم کی کون سی قسم ہے جس کی ایجاد کا شرف ان روشن خیال محققین کو حاصل ہوا ہے؟

اب ذرا ان کی معلومات کی وسعت اور فکر کی گہرائی ملاحظہ فرمایئے:۔

اسلام کی ترقی کے لیے آپ ضروری سمجھتے ہیں کہ مسیحیت کی طرح اسلام سے بھی شرعی حدود اڑا دی جائیں، اور اسلام صرف ایک عقیدہ کی حیثیت میں رہ جائے۔ کیونکہ مسیحیت کی ترقی کا راز جو آپ نے سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ اس میں حرام و حلال کی قیدو نہیں ہیں، اخلاقی پابندیاں نہیں ہیں، اس میں آدمی کے "حقوقِ انسانی سلب کرکے اس کو ایک لاشئہ بے جان اور بے بس بچہ" نہیں بنایا گیا ہے، بلکہ اس کو آزادی دی گئی ہے کہ مسیح پر ایمان رکھ کر جو چاہے کرے۔ مگر آپ نے یہ غور نہیں فرمایا کہ اسلام جس چیز کا نام ہے وہ قرآن میں ہے، اور قرآن نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایمان و عمل صالح کے مجموعہ کا نام اسلام رکھا ہے، عمل صالح کے لیے قیود مقرر کی ہیں، قوانین بنائے ہیں، اور انفرادی و اجتماعی زندگی کے لیے ایک مکمل نظام عمل مقرر کیا ہے جس کے بغیر اسلام بحیثیت ایک دین اور ایک تہذیب کے قائم نہیں ہو سکتا۔ اس نظام اور اسکی حدود کو منسوخ کرنے کا اختیار کسی مسلمان کو نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا نسخ قرآن کا نسخ ہے، اور قرآن کا نسخ اسلام کا نسخ ہے، اور جب اسلام خود ہی منسوخ ہو جائے تو "اسکی ترقی" کے کیا معنی؟ آپ خود کسی مذہب کو ایجاد کر کے اسکی اشاعت فرما سکتے ہیں، مگر جو چیز قرآن کے خلاف ہے اسکو اسلام کے نام سے موسوم کرنے، اور اس کی ترویج کو اسلام کی ترقی کہنے کا آپ کو کیا حق ہے؟

آپ اسلام صرف اس عقیدہ کا نام رکھتے ہیں کہ "ہم آیندہ زندگی میں یا خود اس زندگی میں اپنے اعمال کے جوابدہ ہیں اور ہونگے"۔ یہ بات غالباً آپ نے اس امید پر فرمائی ہے کہ اگر اسلام اس حد میں محدود ہو جائے گا تو بالکل نرم اور آسان ہو جائے گا۔ اور خوب پھیلتا چلا جائے گا۔ لیکن اگر آپ اس عقیدہ کے معنی پر غور فرماتے تو آپ کو معلوم ہو جاتا کہ اس حد میں محدود ہونے کے بعد بھی اسلام آپ کی مرضی کے مطابق نہیں ہو سکتا۔ اس عقیدے کو مذہب قرار دینے کے لیے سب سے پہلے تو حیات اخروی پر ایمان لانا ضروری ہے۔ پھر جوابدہی کا مفہوم بجائے خود اس بات کا متقاضی ہے ایک تو یہ کہ جس کے سامنے جوابدہی کرنی ہے اسکو متعین کیا جائے، اور اسکی بالادستی کو تسلیم کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ جوابدہی کی نوعیت متعین کی جائے اور زندگی کے اعمال میں اس لحاظ سے امتیاز کیا جائے کہ کن اعمال سے اس جوابدہی میں کامیابی نصیب ہوگی اور کون سے اعمال ناکامی کے موجب ہونگے۔ تیسرے یہ کہ جوابدہی میں کامیابی اور ناکامی کے جدا جدا نتائج متعین کئے جائیں، کیونکہ اگر ناکامی کا نتیجہ بھی وہی ہو جو کامیابی کا ہے، یا سرے سے دونوں کا کوئی نتیجہ ہی نہ ہو تو جوابدہی بالکل بے معنی ہے۔ یہ اس عقیدہ کے عقلی لوازم ہیں جس کو آپ اصل دین قرار دے رہے ہیں۔ اگر آپ کی تجویز کے مطابق اسی عقیدہ پر اسلام کو قائم کر دیا جائے، تب بھی وہی مصیبت پیش آئے گی جس سے آپ بچنا چاہتے تھے۔ پھر وہی خدا کو ماننا لازم آئے گا جس کے بغیر جا بجا آپ کو ترقی کے نام پر جڑ کٹتا ہوا نظر آیا تھا۔

© rasailojaraid.com

پھر وہی شریعت کی بیڑیاں اور اخلاق کی حدیں بن جائیں گی جن کو آپ توڑنا چاہتے ہیں اور جن کے وجود میں آپ کے نزدیک اسلام کے ترقی نہ کرنے کا راز پوشیدہ ہے۔ پھر وہی عذاب و ثواب کا جھگڑا نکل آئے گا اور خدا کی بے شمار خلقت کو اس عقیدے کے بغیر خوش و خرم و خوش حال دیکھ کر آپ کا دل پھر اس بات پر گواہی دینے سے انکار کرے گا کہ چند سال بعد یہ سب عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

براہ کرم اب ذرا غور کر کے کسی ایسی چیز کا نام اسلام رکھیے جس میں کسی قسم کی قید و بند نہ ہو، جس کو ماننے اور نہ ماننے کا نتیجہ یکساں ہو، جس میں صرف خدا کی زمین کو معمور کر دینا دنیا و آخرت کی کامیابی کے لیے کافی ہو، اور جس پر ایمان نہ لانے والی بے شمار خلقت کو خوش و خرم و خوش حال دیکھ کر آپ کا دل گواہی دے سکے کہ وہ سب جنت کی بلبلیں بن جائیں گی۔"

قرآن کی رو سے سور کے گوشت کا قطعی حرام ہونا آپ کے نزدیک مسلم نہیں ہے۔ آپ شک فرماتے ہیں کہ شاید یہ اہل عرب کے لیے کسی خاص وجہ سے حرام کر دیا گیا ہو۔ لیکن اگر آپ اس رائے کو ظاہر کرنے سے پہلے قرآن کھول کر پڑھ لیتے تو اس شک کی تحقیق ہو جاتی۔ اس کتاب میں صاف لکھا ہوا ہے کہ:-

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗۤ اِلَّآ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (۶:۱۴۶)

اے پیغمبر! کہو کہ میری طرف جو وحی بھیجی گئی ہے اس میں کوئی چیز کسی کھانے والے کے لیے جسے وہ کھاتا ہے، حرام نہیں پاتا الا یہ کہ وہ مردار ہو یا بہا ہوا خون ہو یا سور کا گوشت ہو، کیونکہ وہ بتحقیق ناپاک ہے، یا نافرمانی کے طور پر اللہ کے سوا کسی اور کے نام سے ذبح کیا گیا ہو۔ پھر جو شخص مجبور ہو گیا بغیر اس کے کہ وہ نافرمان اور حد ضرورت سے تجاوز کرنے والا ہو، تو تیرا رب بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

اس آیت میں سور کے گوشت کو ہر "طاعم" یعنی کھانے والے کے لیے حرام قرار دیا گیا ہے، اور حرمت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی علت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ "رجس" (ناپاک) ہے۔ کیا یہاں طاعم سے مراد عرب کا طاعم ہے؟ اور کیا ایک ہی چیز عرب کے لیے رجس اور غیر عرب کے لیے طیب و طاہر ہو سکتی ہے؟ اور کیا اسی طریقہ سے آپ مردار کھانے والوں کے لیے بھی وراد ڈھیل دینا پسند فرمائیں گے؟ آپ سور کے معاملہ میں ڈھیل دینا چاہتے ہیں تو اپنے اختیار سے دیجئے۔ مگر قرآن کے صریح الفاظ کے خلاف آپ کو یہ کہنے کا کیا حق ہے کہ قرآن سے اسکی قطعی ممانعت مشکوک ہے؟

آج کل کے نئے مجتہدین نے اجتہاد کے جو اصول وضع کیے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اسلام کے جس حکم کی خلاف ورزی کرنا چاہتے ہیں اس کے متعلق بلا تکلف کہہ دیتے ہیں کہ یہ حکم خاص اہل عرب کے لیے تھا، خواہ قرآن میں اس تخصیص کی طرف کوئی ادنےٰ سا اشارہ بھی نہ ہو، اور تخصیص کے لیے وہ کوئی عقلی یا نقلی دلیل نہ رکھتے ہوں۔ اگر یہی سلسلہ جاری رہا تو بعید نہیں کہ ایک روز قرآن ہی کو اہل عرب کے لیے مخصوص نہ کر دیا جائے۔

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ سے استدلال اتنا لطیف ہے کہ صاحب سفرنامہ کے علم و فضل کی داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ غالباً اس آیت کا ترجمہ انھوں نے یہ کیا ہوگا کہ "جب سور کا گوشت کھانے کو بے اختیار جی چاہے تو کھالو مگر باغ میں صبح گرکھانا اور نہ اسکی عادت ڈال لینا۔"

سور کے گوشت کے معاملہ میں اہل یورپ اور اہل چین کے لیے ڈھیل دینے کی گنجائش اس آیت سے وہی شخص نکال سکتا ہے جو نہ اضطرار کے معنی جانتا ہو، نہ باغی کا مفہوم سمجھتا ہو اور نہ عادی کا۔ ورنہ جاننے والے کے لیے تو اتنی جرأت کرنا بہت مشکل ہے۔ آیت کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ جن لوگوں کو مردار خواری یا خون آشامی کا چسکا لگا ہوا ہو یا جو لوگ سور کے گوشت پر جان دیتے ہوں، یا جن کے ہاں مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کے کھانے کا عام دستور ہو وہ سب مضطرین میں داخل ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو تحریم کا حکم ہی بے معنی ہو جاتا کیونکہ اگر تحریم ان لوگوں کے لیے تھی جو ان چیزوں کے خوگر تھے، تو استثنا سے فائدہ اٹھا کر وہ اپنی عادت کے مطابق انھیں کھاتے رہتے، اور اگر تحریم ان لوگوں کے لیے تھی جو خود ہی ان سے مجتنب تھے تو ان کے لیے اس حکم کی ضرورت ہی نہ تھی۔ اضطرار کے ساتھ غیر باغ ولا عاد کی شرط لگا کر جو استثنا کیا گیا ہے اسکا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مفہوم تو یہ ہے کہ جو شخص بھوک سے مر رہا ہو، اور حرام چیز کے سوا کوئی چیز اس کو نہ ملتی ہو، وہ محض جان بچانے کے لیے حرام چیز کھا سکتا ہے، بشرطیکہ حدِ رخصت سے تجاوز نہ کرے، یعنی جان بچانے کے لیے جتنی مقدار ناگزیر ہو اس سے زیادہ نہ کھائے، اور حدود اللہ کو توڑنے کی اس میں خواہش نہ ہو۔ اس بات کو ایک دوسری جگہ سود اور مردار وغیرہ چیزوں کی تحریم کا ذکر کرتے ہوئے اس طرح بیان کیا گیا ہے فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّإِثْمٍ یعنی جو شخص بھوک کی شدت سے مجبور ہو جائے بغیر اس کے کہ گناہ کی طرف کوئی میلان ہو، وہ اس حالت میں حرام چیز کھا سکتا ہے۔ کہاں یہ بات اور کہاں وہ کہ اہلِ یورپ اور اہلِ چین چونکہ سور کے گوشت پر جان دیتے ہیں لہٰذا فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ سے فائدہ اٹھا کر ان کے لیے سور کو جائز کر دیا جائے، اور وہ بھی اس لیے کہ وہ اسلام میں داخل ہو سکیں۔ اگر اسی طریقہ سے ہر قوم کی رغبتوں اور خواہشوں کا لحاظ کر کے اسلام کے قوانین میں ڈھیل دینے کا سلسلہ شروع ہوا تو شراب، جوا، زنا، سود اور ایسی ہی دوسری چیزوں کو بھی ایک ایک کر کے حلال کرنا پڑے گا۔ سوال یہ ہے کہ جو لوگ خدا کے احکام کو ماننے اور اس کے قائم کیے ہوئے حدود کی پابندی کرنے اور اس کے حرام کو حرام سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہیں ان کو اسلام میں داخل کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اسلام ان کا محتاج کب ہے کہ وہ ان کو راضی کرنے کے لیے کم و بیش پر سودا کرے؟۔

پہلے تو صرف سور کے گوشت کی علتِ حرمت آپ کی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ مگر پھر جو آپ نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ اصولِ معدہ اور محرکاتِ اخلاق میں بونِ بعید ہے، لہٰذا آپ نے یہ رائے قائم فرمائی کہ مذہب کو سرے سے حرام و حلال کا امتیاز ہی قائم کرنے کا کوئی حق نہیں۔ اس ارشاد سے یہ راز فاش ہو گیا کہ آپ جو کچھ قرآن کے متعلق جانتے ہیں، حکمتِ طبیعی PHYSICAL SCIENCE کے متعلق اس سے کچھ زیادہ نہیں جانتے۔ قرآن سے ناواقف ہونا تو خیر ایک روشن خیال تعلیم یافتہ آدمی کے لیے شرمناک نہیں ہے، مگر سائنس سے اتنی بے خبری البتہ بہت شرمناک ہے۔ آپ کو اب تک یہ بھی نہیں معلوم ہوا کہ انسان کے نفس اور اس کی ترکیبِ جسمانی کے درمیان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا تعلق ہے، اور اس کی ترکیب جسمانی غذا سے کیا تعلق رکھتی ہے۔ مذہبی نظریہ کی رو سے تو خیر نفس اور جسم دو علیحدہ چیزیں ہیں اور ان کے درمیان صرف تعامل ہوتا ہے، لیکن سائنس تو نفس کو سراسر جسم ہی کی مخصوص ترکیب کا نتیجہ قرار دیتا ہے۔ اس لحاظ سے جو چیز جسم کو اس کے اجزائے ترکیبی فراہم کرتی ہے اس کا اثر نفس کے خصائص پر مترتب ہونا بالکل ناقابلِ انکار ہے۔ جس طرح سور کے نفسانی خصائص میں اسکی ترکیب جسمانی کا یقینی دخل ہے، اسی طرح جسم کے واسطے سے انسان کے نفس پر سور کے گوشت کا اثر پڑنا بھی یقینی ہے۔ اگر آپ غذا کے متعلق سائنس کی جدید ترین تحقیقات کا مطالعہ فرماتے تو آپ کو معلوم ہو جاتا کہ اخلاق پر غذا کا اثر اب عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے، اور حکماء اس مسئلہ کی طرف متوجہ ہو گئے ہیں کہ مختلف قسم کی غذاؤں سے ہمارے اخلاق اور ہماری ذہنی قوتوں پر کیا اثرات پڑتے ہیں۔

© rasailojaraid.com